

حیات طیبہ کے چند جذباتی لمحات

سکتی دور

عبد حمید صدیقی

شعور کی طرح جذبہ انسانی زندگی کے لیے خداوند تعالیٰ کی ایک مستقل اور لازوال نعمت ہے۔ جب تک انسان سانس لیتا ہے جذبہ بھی اس کے ساتھ موجود رہتا ہے۔ البتہ اس کی کیفیات حالات ماحول اور مزاج کے ساتھ تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ کبھی یہ ہلکی سی لہ کی طرح انسان کے اندر ارتعاش پیدا کرتا ہے کبھی یہ شدت اختیار کر کے اس کی زندگی میں زلزلہ اور طوفان اٹھاتا ہے کبھی روحانی کیف و مستی کے زیر اثر آکر قلندرانہ وجد و حال کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے کبھی یہ ایسی خاموش اور پرسکون روش اختیار کر لیتا ہے کہ اس کی حرکت و حرارت کا احساس تک نہیں ہوتا لیکن یہ کسی نہ کسی صورت میں بہر طور موجود ضرور رہتا ہے۔

ایک عام انسان اور نبی کے ارفع مقام کے درمیان جو امتیاز ہے اس کے باوجود اس امر سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ نبی چونکہ نوع بشری کی رشد و ہدایت کے لیے مامور ہوتا ہے اس لیے اس کا تعلق نوع انسان ہی سے ہوتا ہے اور وہ انسانی اغیات کے ساتھ ہی انسانی معاشرے کے اندر اپنے مقدس مشن کی تکمیل کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ غم کے لمحات میں وہ دل گرفتہ اور بے چین ہوتا ہے خوشی کے مواقع پر اس کا دل راحت اور آسودگی محسوس کرتا ہے امدائے دین کی چیرہ دستیوں اور دل آزاریوں اور راہ حق سے انحراف کے لیے ان کی بہت دھرمیاں اسے رنجیدہ اور مغموم کرتی ہیں۔ رفقاء کی کوتاہیوں پر وہ ناگواری کا اظہار کرتا ہے اور ان کی کامیابیوں اور کامیابیوں پر مسرور ہوتا ہے۔ الغرض بھوک پیاس، عذارت، عزیزوں اور دوستوں کی وفات، زندگی کے یہ سبب و فراہ پریشانیوں اور ایسے اسے دو سرے انسانوں کی طرح ہی متاثر کرتے ہیں ان اثرات کے جنوم میں بھی وہ کوئی ایسی حرکت نہیں کرتا جو اس کے عظیم مرتبے سے فوٹو ہو۔ وہ ان نوصد شکن حالات میں بھی سیرت و کردار کا اعلیٰ نمونہ

پیش کرتا ہے اور اس مثالی طرز عمل کا اظہار کرتا ہے جس کا حکم اسے مالک کائنات نے دیا ہے۔ چنانچہ وہ خوشی کے موقع پر خوش تو ہوتا ہے مگر لہو و لعب میں مبتلا ہونے کے بجائے اپنے خالق کے سامنے سجدہ شکر بجالاتا ہے جس نے اس کے لیے مسرت و شادمانی کا سامان پیدا کیا۔ اسی طرح وہ دکھ اور مصائب میں رنجیدہ خاطر تو ہوتا ہے مگر کسی قسم کا احتجاج نہیں کرتا بلکہ اس قادر مطلق کی طرف رجوع کرتا ہے جو ناخوشگوار حالات پیدا کرنے اور تنگی کو فراخی میں بدلنے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔

جس طرح عقل کو زندگی سے خارج کر کے محض جذبات کے سارے زندہ رہنا فطرت کے خلاف جنگ ہے، اسی طرح حیات انسانی کو جذبات سے محروم کر کے یا انھیں پوری طرح دبا کر، محض شعور اور آگہی کے بل بوتے پر زندگی بسر کرنا انسانی جان کے ساتھ انتہائی نا انصافی ہے۔ شعور و جذبہ دونوں کا زندگی میں اپنا اپنا مقام اور کردار ہے اور دونوں کے حسین استخراج ہی سے زندگی میں توازن اور اعتدال پیدا ہوتا ہے۔ اس مضمون میں حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ اور دلاویز زندگی کے جذباتی لمحات میں آپ کے خدا پرستانہ طرز عمل کی چند جھلکیاں دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ محترمہ اور جد امجد کی وفات پر جس طرح دل گیر ہو کر آنسو بہائے اس سے آپ کے جذبات کی گہرائی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ پھر غار حرا میں جب جبرائیل امین وحی لے کر پہلی بار حضور کے سامنے ایک نورانی پیکر میں نمودار ہوئے تو آپ قدرتی طور پر خوف زدہ ہوئے کیونکہ آپ ان کی ذات سے پہلے آشنا نہ تھے۔ چنانچہ آپ گھبراہٹ کے عالم میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس گھر تشریف لائے اور انھیں فرمایا: ”ذملونی“ (مجھے پیچھ اڑھاؤ)۔ جب پیچھ دیر کے بعد گھبراہٹ دور ہوئی تو آپ نے اپنی رفیقہ حیات سے اس واقعہ کا تذکرہ کیا۔ یہ سن کر ان سعادت مند خاتون نے جو آپ کے اوصاف حمیدہ سے پوری طرح واقف اور آپ کی عظمت کی سب سے زیادہ معترف تھیں، یہ کہہ کر آپ کو تسلی دی: آپ ہرگز خوف زدہ نہ ہوں۔ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے۔ خدا کی قسم مالک الملک آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرنے والے راست گو لوگوں کے بار اٹھانے والے نادر اور مسکینوں کی خبر گیری کرنے والے ہیں۔ آپ امین ہیں اور مہمان نوازی کا حق ادا کرتے ہیں اور نامساعد حالات میں لوگوں کی اعانت اور دستگیری کرتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

جب آپ نے حق کی تبلیغ و اشاعت کا کام شروع کیا تو ہر طرف سے آپ پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ لیکن آپ خداوند تعالیٰ کی تائید کے سہارے پورے صبر و ثبات کے ساتھ یہ فرض سرانجام دیتے رہے۔ یہاں تک کہ اس اثنا میں ایک نازک مرحلہ ایسا بھی آیا جس میں حضور کے

مرلی اور کفیل جناب ابو طالب بھی قریش کے دباؤ کے تحت اس بات پر مجبور ہو گئے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دین کے کام سے باز رکھنے کی کوشش کریں۔ حضورؐ کی زندگی کے جذباتی لمحات میں یہ ایک نہایت ہی نازک لمحہ تھا۔ ایک طرف قریش کی مخالفت اور مخالفت تھی اور دوسری طرف وسائل کی کمی اور پیارے چچا جو دنیاوی ساروں میں حضورؐ کے لیے واحد طاقتور سہارا تھے کی مجبوریاں تھیں۔ ان صبر آزمائیاں میں یہ عین ممکن تھا کہ اگر آپؐ اپنے چچا کے حکم کی تعمیل سے انکار کر دیتے تو ان کی حفاظت اور کفالت سے محروم ہو جاتے اور پھر آپؐ کو قریش کی دراز دستیوں سے بچانے والی کوئی موثر شخصیت اس معاشرے میں باقی نہ رہتی۔ ابن بشام میں اس واقعہ کی پوری تفصیل موجود ہے۔ جب قریش نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغی سرگرمیوں پر اور ان سے جو نقصان ان کے آبائی دین کو پہنچ رہا تھا اس پر جناب ابو طالب سے شکایت کی تو انھوں نے حضورؐ کو بلایا اور محبت بھرے لہجہ میں کہا: اے جان برادر! تمہارے قبیلے کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور انھوں نے مجھ سے اس طرح کی باتیں کیں (اور وہ باتیں بیان کیں جو انھوں نے کسی تھیں) خدا را مجھ پر رحم کرو اور خود اپنی جان پر بھی رحم کرو۔ مجھ پر ایسا پار نہ: الوجہ جس کا میں متحمل نہیں ہو سکتا۔

راوی کا گمان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ ایسا احساس ہوا کہ ان کے چچا ان کی دستگیری سے اب مجبوراً دست کش ہو رہے ہیں اور ظالموں اور آپؐ کے درمیان وہ حائل نہ رہیں گے۔ حضورؐ کی زندگی کا یہ بڑا صبر آزماء مرحلہ تھا۔ ایک طرف کفر کی طاقت اور عداوت تھی تو دوسری طرف دنیوی اعتبار سے بے بسی اور بے سروسامانی۔ ان حالات میں جو واحد مادی سہارا تھا وہ بھی اب بہت ہار کر الگ ہوتا نظر آ رہا تھا۔ حضورؐ نے اس اندوہناک صورت حال کو شدت سے محسوس کیا اور آپؐ کا دل بھر آیا اور آنکھیں نمناک ہو گئیں۔ یہ ایک فطری عمل تھا لیکن غم و اندوہ کے ان لمحات میں بھی آپؐ نے خداوند تعالیٰ کے سہارے بن کر اپنے لیے سب سے زیادہ مضبوط سہارا سمجھا اور عزم و یقین کے ساتھ فرمایا:

چچا جان! قسم ہے خدا کی اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج بھی رکھ دیں اور بائیں ہاتھ پر چاند اور مجھ سے اس کام سے باز رہنے (کا مطالبہ) کریں تو میں اسے بھی نہ چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ اللہ اسے غالب کر دے یا میں (اس جدوجہد) میں اپنی جان جان آفریں کے حوالے کر دوں۔ (ابن بشام، جلد ۱، ص ۲۶۶)

جناب ابو طالب! حضورؐ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ان الفاظ سے بڑے متاثر ہوئے اور کہا: ”جان عزیز! جہاں جس طرح تمہارا جی چاہتا ہے دعوت دین کا کام کرتے رہو۔ میں تمہاری

معاونت سے کبھی دست بردار نہ ہوں گا۔“

حضورؐ نے اپنے چچا کے ان احسانات کو ہمیشہ یاد رکھا۔ دنیاوی معاملات میں بڑی خوش دلی سے ان کا ہاتھ بٹایا، روپے پیسے سے ان کی مدد کی، ان کے بچوں کی پرورش اور نگہداشت پر توجہ دی، ان کے سامنے ہر موزوں موقع پر دین کی دعوت پیش کی تاکہ وہ مسلمان ہو کر دوزخ کے عذاب سے بچ جائیں۔ حضورؐ اپنے چچا کی آخرت سنوارنے کے بارے میں کس قدر فکر مند تھے، اس کا اندازہ حضورؐ کی اس پر زور التجا اور دعا سے لگایا جاسکتا ہے جو آپؐ نے جناب ابو طالب کی وفات کے وقت ان کے سامنے کی اور ان کی وفات کے بعد خدا کے حضور میں ان کی مغفرت کے لیے کرتے رہے۔ اس التجا اور دعا میں حضورؐ کے اپنے چچا کے بارے میں جذبات کی اچھی طرح عکاسی ہوتی ہے۔

مسند احمد، بخاری، مسلم اور نسائی میں ہے کہ جب جناب ابو طالب دنیا سے رخصت ہونے لگے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس تشریف لے گئے۔ ابو جہل اور عبد اللہ بن امیہ بھی وہاں موجود تھے۔ آپؐ نے فرمایا: چچا جان، آپ ایک مرتبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تو کہہ دیجیے تاکہ مجھے خدا کے سامنے آپ کی شفاعت اور سفارش کے لیے ایک حجت اور دلیل مل جائے۔ ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ باپ کے دین کا واسطہ دے کر انھیں کلمہ شہادت پڑھنے سے مایوس کر رہے اور حضورؐ بار بار انھیں زبان سے کلمہ شہادت ادا کرنے کی التجا کرتے رہے۔ مگر وہ نہ مانے اور انھوں نے عبد المطلب ہی کے دین پر دنیا سے رخصت ہونا پسند کیا۔ ان کی وفات کے بعد حضورؐ اپنے چچا کے لیے مسلسل دعا و مغفرت مانگتے رہے، یہاں تک کہ خداوند تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا۔

حضورؐ اپنی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ سے بھی بڑا جذباتی لگاؤ رکھتے تھے۔ ان کی معاونت اور ہتھکڑی کو حضورؐ نے ہمیشہ یاد رکھا۔ جب انھوں نے وفات پائی تو آپؐ بڑے آزرده خاطر ہوئے۔ ان کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد حضورؐ کے دل میں ان کی محبت اور احترام آخری دم تک موجود رہا۔ جب کبھی ان کا ذکر آتا تو آپؐ مغموم ہو جاتے اور بسا اوقات آپؐ کے جذبات خلیج چشم سے آنسوؤں کی صورت میں بہہ نکلتے۔ جب بھی ان کی کوئی چیز سامنے آتی تو آپؐ کا دل بھر آتا۔ حضرت ابو العاص جو حضرت خدیجہؓ کے بھانجے اور داماد تھے، جنگ بدر میں گرفتار ہوئے اور اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کا فدیہ روانہ کیا تو حضرت زینبؓ نے اپنے شوہر ابو العاص کے فدیہ میں اپنا وہ ہار بھیجا جو حضرت خدیجہؓ نے شادی کے وقت انھیں دیا تھا۔ حضورؐ مرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس ہار کو دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور صحابہؓ سے فرمایا: ”اگر مناسب سمجھو تو اس ہار کو واپس کر دو اور اس قیدی کو چھوڑ دو۔“ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا قول ہے کہ مجھے حضورؐ کی ازواج مطہرات میں کسی اور زوجہ محترمہ پر اتنا

رشتہ نہیں آتا تھا جتنا حضرت خدیجہؓ پر۔ حضورؐ ان کی سیلیوں کو وقتاً فوقتاً تحائف بھیجتے اور ان کا کثرت سے تذکرہ فرماتے۔ ایک مرتبہ میری زبان سے یہ الفاظ نکل گئے: ”آپؐ کے دل و دماغ پر تو خدیجہؓ اتنی چھائی رہتی ہیں۔“ اس پر آپؐ رنجیدہ خاطر ہوئے اور فرمایا: ”ہاں ان کی محبت کی خود اللہ نے میرے دل میں آبیاری کی ہے۔ وہ مجھ پر اس وقت ایمان لائیں جب دوسرے لوگوں نے مجھے ٹھکرا دیا۔ جب لوگوں نے میرے دعوۂ نبوت کو تھلایا تو انھوں نے میری تصدیق کی۔ جب دوسرے لوگوں نے مجھے ہر چیز سے محروم رکھنے کی کوشش کی تو انھوں نے میری دستگیری کی۔“ (بخاری، مسلم اور مسند احمد بن حنبل)

جناب ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات سے حضورؐ کو اس قدر صدمہ پہنچا کہ آپؐ نے ان کے سال وفات کا نام ہی عام الحزن رکھ دیا تھا۔ لیکن ان التناک حوادث سے دوچار ہونے کے باوجود آپؐ دعوت دین کے لیے پلپلاہے ہوئے اور طائف تک راستے میں جتنے قبائل آباد تھے، سب کو اللہ کا پیغام سناتے چلے گئے۔ طائف پہنچنے پر آپؐ وہاں کے مشہور قبیلہ بنو ثعلیبہ کے سرداروں عبدیلیل، مسعود اور حبیب سے ملے اور انھیں اسلام کی دعوت دی۔ ان میں سے ایک بولا: میں کعبہ کے سامنے داڑھی منڈوا دوں گا اگر اللہ نے تجھے رسول بنایا ہو۔ دوسرے نے کہا: کیا خدا کو تیرے سوا کوئی اور رسول بنانے کو نہ ملا جس کو سواری تک میسر نہیں۔ اسے اگر رسول بنانا ہی تھا تو کسی حاکم اور سردار کو بناتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس طعنہ زنی اور بے ہودہ باتوں کا کوئی اثر نہ لیا اور تبلیغ دین میں برابر منہمک رہے۔ اس سے یہ سردار جھلا اٹھے اور انھوں نے شر کے چھوکروں اور اوباش لوگوں کو حضورؐ سرور عالمؐ کو تنگ اور زچ کرنے پر اکسایا۔ چنانچہ عقل کے ان اندھوں نے آپؐ کو گالیاں دیں، تالیاں پیٹیں اور آپؐ پر پتھر پھینکے۔ آپؐ اس سنگ باری کے باعث لہو سے تر پتر ہو گئے۔ خون بہہ بہہ کر جو توتوں میں جم گیا اور وضو کے لیے پاؤں جوتے سے نکالنا مشکل ہو گیا۔ اس سفر میں آپؐ کو بڑی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر ایک شخص بھی مسلمان نہ ہوا۔ ان حوصلہ شکن حالات میں جب ایک مقدس ہستی بھٹکے ہوئے لوگوں کو حق کی راہ دکھا رہی ہو اور وہ اس کے بدلے میں گالیوں اور پتھروں سے اس کی تواضع کر رہے ہوں اور اس کی زندگی کے درپے ہوں، انسان کے دل پر جو گزرتی ہے وہ ناقابل بیان ہے۔ آدمی رنجیدہ خاطر ہوتا ہے، اس ظلم کے خلاف اس کے دل سے آہ نکلتی ہے، وہ ظالموں کو کوستا ہے اور انسان اس انداز پر سوچنے لگتا ہے کہ کیوں نہ حق کے ان باغیوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے اور خدائی فیصلے کا انتظار کیا جائے؟ مگر ان حالات میں رحمت اللعالمینؐ نہ تو

برہم ہوئے نہ مایوس بلکہ اپنے رب کے حضور یوں دعاگو ہوئے:

الہی اپنی کمزوری ' بے سرو سامانی اور لوگوں کی تحقیر پر تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں۔ تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے ' در ماندہ عاجزوں کا مالک تو ہی ہے اور میرا مالک بھی تو ہی ہے۔ مجھے کس کے سپرد کر رہا ہے؟ کیا کسی بیگانے کے جو مجھ سے ترش روئی کے ساتھ پیش آئے؟ یا کسی دشمن کو میرے اوپر قابو دے رکھا ہے؟ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں ہے تو مجھے پھر کسی چیز کی پرواہ نہیں۔ لیکن تیری عافیت میرے لیے زیادہ وسیع ہے۔ میں تیری ذات کے نور میں پناہ چاہتا ہوں جس سے تمام تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور دنیا و آخرت کے کام اس سے ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ میں اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ تیرا غضب مجھ پر اترے یا تیری ناراضی مجھ پر وارد ہو۔ مجھے تیری ہی رضا اور خوشنودی درکار ہے۔ اور کوئی طاقت تیری طاقت کے سوا نہیں ہے۔ (ذااد المعاد ' جلد

۲، ص ۱۲۳، ۱۲۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر غمگین ورنجیدہ دیکھ کر جبرائیل امین تشریف لائے اور کہا: آپؐ کی قوم نے آپؐ سے جو ناروا سلوک کیا ہے۔ اللہ نے اسے دیکھ لیا ہے۔ اگر آپؐ چاہیں تو ان ظالموں کو ان دو پہاڑوں کے درمیان پھین دیا جائے۔ لیکن اس غم و اندوہ کے عالم میں بھی حضور سرور دو عالمؐ نے یہ جواب دیا کہ:

نہیں ایسا ہرگز نہ کیا جائے۔ مجھے اللہ سے امید ہے کہ مولاے کریم ان کی نسلوں میں سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو صرف اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کریں گے۔ (ذااد المعاد

از ابن قیم ' جلد ۲، ص ۱۲۴)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے جان نثار شعب ابی طالب میں مسلسل تین سال تک محصور رہے اور اس مدت میں قریش نے جس طرح ان پر عرصہ حیات تنگ کیا وہ ایک دل دہلا دینے والی داستان ہے۔ مگر حضورؐ نے خدا داد بصیرت کے ذریعے رنج و محن کے ان سالوں کو بھی تربیت کا دور بنا دیا اور شعب ابی طالب کی تربیت گاہ میں ساتھیوں کی اچھی طرح تربیت کی تاکہ مستقبل قریب میں انھیں جس قسم کی مشکلات پیش آنے والی ہیں وہ ان سے اچھی طرح عمدہ برآ ہو سکیں۔ جو ہستی بھوک ' پیاس ' معاشرتی مقاطعے اور قید کے لرزہ خیز مصائب کے اندر اپنے رفقا کے حوصلے بلند رکھنے کا التزام کرتی ہے اور ان کے ذریعے ان میں سیرت و کردار کی پختگی پیدا کرنے کے لیے کوشاں ہوتی ہے ' وہ کس قدر عظیم ہوگی؟

قریش نے جب یہ دیکھا کہ حضورؐ اور آپؐ کے فدائیوں کے خلاف ترغیب و ترہیب کا کوئی ہتھیار کارگر ثابت نہیں ہو رہا اور دعوت دین کا کام ان کی ساری ستم رانیوں کے باوجود مسلسل آگے بڑھ رہا ہے تو وہ حضورؐ کے قتل کے درپے ہوئے۔ ادھر حضورؐ سرورِ دو عالم نے بھی حالات کی نزاکت کو پوری طرح بھانپ لیا اور یہ محسوس کر لیا کہ سرزمین مکہ دین حق کو ایک اجتماعی قوت میں ڈھالنے کے لیے موزوں نہیں، اس کے لیے کسی اور جگہ کی تلاش ضروری ہے۔ چنانچہ آپؐ نے مکہ سے مدینہ منورہ ہجرت کا فیصلہ کیا۔ کفار مکہ کو بھی آپؐ کے اس ارادے کا علم ہو گیا اور انہوں نے ہر قبیلے کے ایک ایک آدمی کو جمع کر کے انہیں یہ حکم دیا کہ وہ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک ساتھ حملہ کر کے (معاذ اللہ) ان کا کام تمام کر دیں تاکہ وہ چشمہ عرفان ہی باقی نہ رہے۔ جبرائیل امین کے ذریعے حضورؐ کو بھی ان کے ان ناپاک عزائم کی اطلاع ہو گئی۔ جس رات حضورؐ نے مکہ چھوڑنے کا ارادہ کیا وہی رات اعدائے دین نے حضورؐ پر قاتلانہ حملے کے لیے منتخب کی۔ ان حالات میں حضورؐ کی جذباتی کیفیت پر غور کریں۔ جس سرزمین میں آپؐ نے جنم لیا، اعمد طفولیت گزارا جو ان ہوئے، رشتہ مناکت استوار کیا، نبوت سے سرفراز فرمائے گئے اور جس میں قدم قدم پر آپؐ کے بزرگوں کی یادگاریں موجود تھیں اور سب سے بڑھ کر جو خطہ ارضی بیت اللہ کی موجودگی کی وجہ سے روحانیت کا مرکز و محور تھا، اسے حضورؐ محض خالق کائنات کی خوشنودی کی خاطر خیر باد کہہ کر ایک اجنبی جگہ اور اجنبی ماحول میں آباد ہونے کے لیے جا رہے تھے۔ مکہ کو الوداع کہتے ہوئے حضورؐ کی قلبی کیفیت کا اندازہ ان الفاظ سے لگایا جاسکتا ہے جو آپؐ نے اس موقع پر ارشاد فرمائے:

خدا کی قسم تو اللہ کی سب سے بہتر زمین ہے۔ اور سب سے زیادہ اللہ کے نزدیک محبوب ہے۔ اگر میں نکالنا نہ جاتا تو کبھی نہ نکلتا۔ (ترمذی) تو کیا ہی پاکیزہ شہر ہے اور مجھ کو بڑا ہی محبوب ہے۔ اگر میری قوم مجھ کو نہ نکالتی تو میں دو سری جگہ سکونت اختیار نہ کرتا۔ (احمد و ترمذی)

پھر شہر سے نکلتا بھی انتہائی پر خطر تھا۔ خواب گاہ کو خون کے بہاؤ نے اس طرح گھیرے میں لے رکھا تھا کہ کوئی جائے فرار نہ تھی۔ الغرض ہر طرف آلام اور تفکرات ہی تھے۔ مگر بار چھوڑنے کا غم قربت داروں کی جدائی کا غم، اپنے کمزور اور بے بس جان نثاروں کے ظالموں کی تحویل میں رہ جانے کا غم، بیت اللہ سے بعد اور دوری کا غم اور دشمنوں کی سازشوں کی وجہ سے مختلف قسم کی پریشانیاں اور اندیشے لاحق تھے۔ اس قسم کے اٹناک حالات میں بھی اللہ کے برگزیدہ نبیؐ نے سکون خاطر برقرار رکھا۔ اس امینؐ کے پاس جو امانتیں رکھی ہوئی تھیں انہیں اپنے عم زاد بھائی کے ذمے ان کے مالکوں

تک بحفاظت پہنچانے کا انتظام فرمایا اور بڑے وقار اور اعتماد کے ساتھ اپنے فدائی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت میں مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ قریش کو جب اپنے منصوبے کی ناکامی کا علم ہوا تو انھوں نے آپؐ کے تعاقب میں چاروں طرف اپنے آدمی دوڑا دیے حتیٰ کہ وہ ایک غار کے دھانے تک جا پہنچے جہاں آپؐ پناہ گزین تھے۔ اس اثنا میں آپؐ کے جان نثار رفیقؓ نے گھبرا کر کہا: ”حضورؐ ان میں سے اگر کسی کی نظر اپنے قدموں پر پڑ جائے تو ہم اس کی نگاہ سے بچ نہ سکیں گے۔“ آپؐ نے انھیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

نیز آپؐ نے یہ بھی فرمایا: اب ابوبکر ان دو آدمیوں کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے جن کا تیرا

اللہ ہے۔

لَا تَحْزَنُ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا

تو بالکل غم نہ کھا یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

خریداروں اور ایجنٹس کی توجہ کے لیے

اگر آپ کے پتے پر پوسٹل کوڈ درج نہیں ہے، (یا درست نہیں ہے) تو ازراہ کرم فوری طور پر اپنے خریداری نمبر (یا ایجنسی نمبر) کے ساتھ، اپنے پوسٹل کوڈ سے مطلع فرمائیے۔

اسے نہایت ضروری سمجھیے۔ ڈاک خانہ والوں کا نوٹس ہے کہ کوڈ نمبر کے بغیر وہ پرچہ نہیں لیں گے۔

مینیبجر

ماہنامہ ترجمان القرآن

۵ 'اے ذیلدار پارک اچھرہ' لاہور ۵۴۶۰۰